پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا۔ اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مارڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ نازل ہوئی پس آزاد لوگ سب برابر ہیں۔ جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مارڈالا ہے تو اسے بھی مار اڈالا جائے گا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا' وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ بھی اس آیت کو النفس بالنفس سے منسوخ بتلاتے ہیں۔ ☆ مسئلہ ☆ امام ابوحنیفہؒ' امام ثوریؒ' امام ابن ابی لیلیٰؒ اور داؤدؒ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا' حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابراہیمؒ نخعیؒ حضرت قتادہؒ اور حضرت حکمؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت امام بخاریؒ علی بن مدینی ابراہیمؒ نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوریؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مارڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے' ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکٹا کرے' ہم بھی اس کی ناک کٹا دیں گے اور جو اسے خصی کرے' اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے۔ اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ لا یقتل مسلم بکافر مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے' اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

مسئلہ: ☆☆ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاؒ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں النفس بالنفس موجود ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے المسلمون تتکا فاد مائھم یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔ حضرت لیثؒ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مارڈالے تو خاصتہ اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: ☆☆ چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مارڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے

خلاف آپؓ کے زمانہ میں کسی صحابیؓ نے نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے۔ زیادہ قتل نہ کئے جائیں حضرت ابن زبیرؓ عبدالملک بن مروان زہری ابن سیرین حبیب بن ابی ثابتؒ سے بھی یہ قول مروی ہے ابن المنذر فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہؓ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے۔ حیل حجت نہ کرے۔

مسئلہ: ☆☆ امام مالکؒ کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگذر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن قتادہ زہرہ ابن شبرمہ لیث اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا۔ انہیں قصاص سے درگذر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں۔ قصاص دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی۔ دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لئے سخت درد ناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پر قتل کے درپے ہو اوغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ یا قصاص یعنی بدلہ لے لے یا درگذر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو۔ ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کر لی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے۔ اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دوسرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زندگی ہے۔ قاتل کو خود خیال ہو گا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ القتل انفی للقتل قتل قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن و امان سکون و سلام رہے گا۔ تقوی کل نیکیوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ
بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ
بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾ ع ۲۲ / ۶

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے O اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے O ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس میں اصلاح کرا دے اس پر گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے O

وصیت کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۸۰-۱۸۲) اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ ٹھیک قول یہی ہے لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لے گا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہؓ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباسؓ سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب آپؓ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد) آپؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا۔ اوروں کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی۔ پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ الخ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰؓ، سعید بن میتبؒ، حسنؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ، محمد بن سیرینؒ، عکرمہؒ، زید بن اسلمؒ، ربیع بن انسؒ، قتادہؒ، سدیؒ، مقاتل بن حیانؒ، طاؤسؒ، ابراہیم نخعیؒ، شریحؒ، ضحاکؒ اور زہری رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابو مسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہا کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، مسروقؒ، طاؤسؒ، ضحاکؒ، مسلم بن یسارؒ اور علاء بن زیادؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیرؒ، ربیع بن انسؒ، قتادہؒ اور مقاتل بن حیانؒ بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر پہلے فقہا کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے ہوئی جو وارث نہیں اور ان کے حق میں نہ رہی جو وارث ہیں۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری، دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق و سباق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے

نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے۔

پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب وفرض ہے۔ ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیۃً اٹھ گیا۔ باقی رہے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے۔ کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آچکا ہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنی چاہتا ہو کہ دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے ہوئے گذارے۔ راوی حدیث حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے فرماتے ہیں' اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری۔ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک واحسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔ خیر اسے مراد یہاں مال ہے۔ اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت' وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک قریشی مر گیا اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔ آپ نے فرمایا' یہ رقم وصیت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے اِنْ تَرَكَ خَيْرًا فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔ اس سے کسی نے کہا' وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے' اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤس اسی (80) دینار بتلاتے ہیں۔ قتادہ ایک ہزار بتلاتے ہیں۔ معروف سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ اس میں بھلائی کرے برائی نہ کرے۔ وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا رسول اللہ میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ نہیں۔ کہا۔ ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ خیر تہائی مال کی وصیت کرو گو یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔

مسند احمد میں ہے حنظلہ بن جذیم بن حنفیہؓ کے دادا حنفیہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جو ان کے ہاں پلتے تھے' سو اونٹوں کی وصیت کی۔ ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذرا معاملہ حضورؐ تک پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں نہیں۔ صدقہ میں پانچ دو ورنہ دس دو۔ ورنہ پندرہ۔ ورنہ بیس۔ ورنہ پچیس دو۔ ورنہ تیس دو۔ ورنہ پینتیس دو۔ اگر اس پر بھی نہ مانو تو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو۔

پھر فرمایا جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپا لے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے۔ میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی۔ نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ نہ کوئی راز۔ حیف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا مثلاً کہدیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب یہ خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت وشفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے ردوبدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی شروع کے مطابق پوری ہو۔ ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت گناہگار کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے۔ ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔

امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھی وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل وانصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم بچ جاؤ ○ گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے۔ طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو ○

روداد روزہ اور صلوٰۃ : ☆☆ (آیت: ۱۸۳-۱۸۴) اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس

سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب وطاہر ہو جاتا ہے- ردی' اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے- اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا' اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا الخ یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے- تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو' یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرنے والوں پر تھے' روزے سے بدن کو پاکیزگی ملتی ہے اور عمل شیطانی راہ پر چلنے سے رک جاتا ہے-

صحیحین میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اے جوانو تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو' وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو' وہ روزے رکھے- اس کے لئے یہ جوش کو سرد کر دیتے ہیں پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تاکہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق وشوق سے اس الٰہی فریضہ کو بجالائے' پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا- پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا- اس کا مفصل بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ-

حضرت معاذؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ' عطاؒ' قتادہؒ' ضحاکؒ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضورؐ کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے- حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے- ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا' عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں- پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے' مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں' ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو' اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے- اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا- گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا' ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' مجاہدؒ' طاؤسؒ' مقاتلؒ وغیرہ یہی فرماتے ہیں- مسند احمد میں ہے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں- پہلے تو سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضورؐ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی- پھر ''قَدْ نَرٰى'' والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپؐ نے منہ پھیرا- دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے- پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں قد قامت الصلوۃ بھی دو مرتبہ کہا- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلالؓ کو یہ سکھاؤ- وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان کہی- دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا- لیکن ان سے پہلے حضرت زیدؓ آ چکے تھے- تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضورؐ نماز پڑھا رہے ہیں- کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں- وہ

جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں۔ وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضورؐ کے ساتھ مل جاتا' حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضورؐ کو جس حال میں پاؤں گا' اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے' اسے حضورؐ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا حضرت معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے۔ تم بھی اب یونہی کیا کرو' یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں۔ روزوں کی تبدیلیاں سنئے۔ اول جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الخ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔ دوسرا ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے' جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے۔ پھر یہ آیت اتری فمن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو' وہ روزہ رکھا کرے' پس جو شخص مقیم ہو' مسافر نہ ہو' تندرست ہو' بیمار نہ ہو' اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو' اسے بھی رخصت دی گئی۔ تیسری حالت یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا' عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا۔ سو گیا تو پھر گو رات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔ پھر صرمہؓ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے۔ عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی۔ دوسرے دن کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی۔ حضورؐ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضورؐ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ سے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورے کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا۔ جو چاہتا رکھ لیتا۔ جو نہ چاہتا نہ رکھتا' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ کا مطلب حضرت معاذؓ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا' جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا' افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی' حضرت ابن عمرؓ بھی اسے منسوخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ منسوخ نہیں۔ مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو۔ ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں' میں عطار حمتہ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا۔ دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا' اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بے طاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے' حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو' اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا۔ ہاں ایسے بوڑھے بڑے' معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو۔ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں۔ ہمیں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا یہ بھی مثل بچے کے ہے۔ نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام

شافعیؒ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے' اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرتے' مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ جب حضرت انسؓ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے۔ اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو' علماء میں سخت اختلاف ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں' بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں' بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔ امام ابن کثیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے فالحمدللہ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔ نہ فدیہ دیں۔)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس مہینے میں مقیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو ○

نزول قرآن اور ماہ رمضان: ☆☆ (آیت: ۱۸۵) ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے' حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ' انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارھویں کو اور انجیل اٹھارھویں کو۔ اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور جس پیغمبر پر اتریں' ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمانی دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلہ مبارکہ بھی کہا ہے' ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپؐ سے جب یہ سوال ہوا کہ قران کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اترتا رہا' پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپؐ نے یہی مطلب بیان کیا (ابن مردویہ وغیرہ) آپ سے یہ بھی مروی ہے

کہ آدھی رمضان میں قرآن کریم دنیا کے آسمان کی طرف اترا۔ بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسب ضرورت وقائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں کامل ہوا۔ اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں' کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارا کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا الخ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں۔ پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں۔ تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ حق و باطل' حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے' ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں علیحدگی کرنے والا ہے' بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے۔ شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' رمضان نہ کہو' یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے' شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو' حضرت مجاہدؒ اور محمد بن کعبؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ وہی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے' اس کے سبب اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے' کوئی شخص اپنے گھر ہو' سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی' وہ اٹھ گئی' اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کے لئے رخصت کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے جائیں' اتنے دن پھر قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اب یہاں چند مسائل بھی سنئے (۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور چاند چڑھ جائے' رمضان شریف کا مہینہ آ جائے پھر درمیان میں اسے سفر درپیش ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے ہاں ان لوگوں کو بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آ جائے لیکن یہ قول غریب ہے' ابو محمد بن حزمؒ نے اپنی کتاب محلی میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

نبی ﷺ رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے روزے سے تھے۔ کدید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (متفق علیہ) (۲) صحابہؓ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے' یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تھے' بعض روزے سے ہوتے تھے' بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا۔ اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا بلکہ خود نبی ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' صحیحین میں ہے' حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے۔ تیسرا مسئلہ۔ ایک جماعت علماء کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں کہ سفر

میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضورؐ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں' ایک اور حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں' تم لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا' نہ رکھنا دونوں برابر ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں۔ فرمایا اگر چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے' حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا' اس پر سایہ کیا گیا ہے' پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضورؐ یہ روزے سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری و مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے' اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ چوتھا مسئلہ۔ آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے' ایک کے پیچھے ایک یونہی لگاتار روزے رکھنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں۔ خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ' اختیار ہے۔ جمہور سلف و خلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے۔ رمضان میں پے در پے رکھنا اس لئے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو۔ اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو' بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے' عربی عروہ کہتے ہیں' ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے۔ سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپؐ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضورؐ نے فرمایا' اللہ کا دین آسانیوں والا ہے' تین مرتبہ یہی فرمایا' مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگو آسانی کرو' سختی نہ کرو تسکین دو' نفرت نہ دلاؤ۔

صحیحین کی حدیث میں بھی ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا' نفرت نہ دلانا آسانیاں کرنا' سختیاں نہ کرنا۔ آپس میں اتفاق سے رہنا۔ اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

مجن بن ادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپؐ اسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے نہ سناؤ۔ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی